بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشارات

اخبارات میں اس واقعہ کا چرچا ہے کہ پولیس کے ایک سابق ملازم کو کسی بزرگ کے وعظ و تلقین سے یہ احساس بہ شدت لاحق ہوا کہ حرام کمائی پر زندگی بسر کرنے والے کے لیے قیامت کے دن کوئی راہ نجات نہیں ہے۔ اور وہاں کی طویل سزا سے بے اماں سے نمازیں اور روزے بھی نہیں بچا سکتے۔ چنانچہ مالِ حرام کے اس وبال کا شعور ہوتے ہی اس نے ایک ایسا فیصلہ کیا کہ اس کی قائم کردہ مثال موجودہ تاریکی میں ایک مشعل بن گئی ہے۔ اس کے پاس تھوڑی سی اراضی تھی وہ اس نے بیچی اور اس کی قیمت اُن افراد میں تقسیم کرنا شروع کی جن سے اس نے رشوت لی تھی۔ وہ جگہ جگہ کا سفر کر رہا ہے اور اپنے زخم رسیدگان کو تلاش کر کر کے اُن تک اپنے سچے جذبۂ تلافی کا مرہم پہنچا رہا ہے۔ اور اُن سے معافی بھی مانگ رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اُسے اپنے بہت سے مظلوم افراد یاد ہی نہ آتے ہوں۔ بہت سے فوت ہو چکے ہوں یا نقل مکانی کر گئے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی پونجی سارا حساب بے باق کرنے کے لیے کافی نہ ہو۔ مگر اس نے سچی توبہ کا ایک نمونہ پیش کر دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ باقی رہ جانے والے ستم رسیدگان جب قیامت کے دن اس کے احوال سے آگاہ ہوں تو اُسے معاف کر دیں۔

اصل مصیبت یہ ہے کہ آج میخانۂ دولت پرستی کے جام چڑھا چڑھا کر لوگ اس طرح بدمست ہیں کہ کسی کو مالِ حرام کے وبال کا احساس ہی نہیں رہا۔

اپنی عمر کی ابتدا میں ایسے گھر ہم نے دیکھے جن کے مکینوں نے ہمیشہ احتیاط کی کہ کوئی حرام شے گھر میں داخل نہ ہو، ایسے باپ ہم نے دیکھے جنہوں نے کسی ناجائز آمدنی کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ میرے تو چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ ایسی مائیں ہم نے دیکھیں جنہوں نے کبھی یہ گوارا نہ کیا کہ ان کے شیر خوار بچوں کے منہ میں دودھ کا کوئی ایسا قطرہ چلا جائے جس میں حرام کی آمیزش ہو۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہماری آبادیوں میں ایسے لوگ بکثرت موجود رہے ہیں جو شرافت کی قدروں سے محبت کرتے تھے اور جن کے ضمیر زندہ تھے۔ بخلاف اس کے آج رزق حرام کی پروردہ نسلوں میں جوہر شرافت ختم ہو رہا ہے۔ اور ایمان کی حرارت، ضمیر کی حساسیت، اسلامی اخوت اور جذبۂ خدمتِ انسانیت کے سرمائے ختم ہو رہے ہیں۔

رزقِ حرام کے جو اثرات بد ہر کسی کو چشم سر سے دکھائی دے سکتے ہیں وہ یہ ہیں کہ دولت کی ہوس بڑھتی جاتی ہے، مصارف کا بہاؤ ہر بند توڑتا جاتا ہے۔ تفریحات و تعیشات کا رجحان بڑھتا ہے، جرائم میں افزودگی ہوتی ہے۔ تشدد کے خنجر کی کاٹ بڑھتی جاتی ہے۔ فحاشی و آوارگی زور پکڑتی ہے۔ اور ایک عام ذہنی انتشار و اضطراب قلوب کو گھیر لیتا ہے۔ یہ سب کچھ ہمارے سامنے ہے، اور اگر کوئی روک تھام نہ ہو سکی تو تباہی کا یہ طوفان پورے زور سے اُمڈے گا۔ یہ طوفان اُمڈ پڑا تو ہر قیمتی چیز کو بہا لے جائے گا۔

فکر کرنی چاہیے کہ اس خطرے کی روک تھام ہو۔

رزقِ حرام کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حقائق ہمارے سامنے رکھے

---

[1] بعض جگہ اب بھی یہ اثرات باقی ہیں۔ قریب کا ایک واقعہ ہے کہ میرے ایک محب مکان بنانے کے لیے بنک سے سود پہ قرض کی رقم لے کر گھر پہنچے۔ اپنی بیگم کو جب انہوں نے اپنا کارنامہ بتایا تو عین دوپہر کے وقت اس نے ان کو واپس کیا کہ اس سودی رقم کو ابھی واپس کر کے آئیں۔ اور انہوں نے رقم واپس کر دی۔ مکان کے لیے کوئی دوسرا انتظام ہو گیا۔

ہیں، ایمان والوں کو لرزا دینے والے ہیں۔ بطور تلخیص چند اشارات درج ہیں۔

— جو گوشت (یعنی جسم) حرام سے پرورش یافتہ ہو، اُس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

— جس کسی نے کسی جھوٹے مقدمے (یا کسی اور باطل طریق سے) دوسرے کا مال حاصل کیا اُس نے اپنے لیے آگ کا ٹکڑا حاصل کیا۔

— جس شخص کا لباس اور کھانا پینا حرام ہو، اس کی نمازیں اور دعائیں اور زیارتیں قبول نہیں ہوتیں۔

— رشوت کھانے والا ہو یا کھلانے والا دونوں کا ٹھکانا آگ ہے۔

— ایک شہید کے مال میں اگر کوئی معمولی سی چیز بھی ایسی ہو جو مالِ غنیمت میں سے امیر لشکر کے اذن کے بغیر کسی شخص نے اپنے آپ حاصل کر لی ہو تو صرف اتنے سے ناجائز مال کے بدلے میں حضورؐ نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا کہ وہ دوزخ میں جلے گا۔[1]

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد کی چند روایات ملاحظہ ہوں:

حضورؐ اکرم کے مدعم نامی غلام کو وادی القریٰ میں دشمن کا تیر لگا اور شہید ہو گیا۔ صحابہؓ نے اس موقع پر اس کی شہادت پر تحسین کی تو حضورؐ نے فرمایا "بخدا ایسا نہیں ہے۔ وہ جنت میں نہیں بلکہ غنائم کے اموال میں سے ایک چادر جو اس نے تقسیم سے پہلے (بالا بالا) حاصل کر لی تھی، وہ اس پر آگ بن کر بھڑک رہی ہے"۔

ایک موقع پر اس اعلانِ عام کے باوجود کہ غنائم کے تمام اموال جمع کرا دیئے جائیں۔ ایک صحابی نے بالوں کی بنی ہوئی ایک لگام کو جمع کرانے میں دیر کی۔ پھر وہ جب لے کر آیا تو حضورؐ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ تو اسے لیے قیامت کے دن حاضر ہوگا

خیبر کے غزوہ میں ایک صاحب وفات پا گئے۔ حضورؐ کو اطلاع دی گئی تو آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم جا کر اس کی نماز جنازہ پڑھ لو۔ آپؐ نے جنازہ نہیں پڑھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اُس نے راہ خدا میں خیانت کی تھی۔ چند پتھر کے نگینے تھے جن کی مالیت دو درہم بنتی تھی۔ وہ اُس نے چرا لیے تھے۔

——— زکوٰۃ کے تحصیلداروں اور محکمہ کے کارکنوں کے متعلق آپ نے واضح طور پر خطبۂ عام میں فرمایا کہ تم میں سے اگر کوئی شخص قیامت کے دن اس حال میں ہوگا کہ رشوت کے مال کی کوئی بکری اس کے کندھوں پر لدی ہوگی، یا کوئی اونٹ اس پر سوار ہوگا، یا کپڑے کے تھان سر پر لپٹے ہوں گے اور وہ میرے پاس آکر کہے گا کہ یا رسول اللہ! مجھے اس مصیبت سے چھڑایئے تو ایسے لوگوں کو میں بتائے دیتا ہوں کہ میں نہیں چھڑا سکوں گا۔

——— حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عزیز رفقا میں سے ایسے حضرات کے جنازے پڑھانے سے انکار کر دیتے تھے جن پر قرض کی صورت میں دوسروں کا کوئی حق باقی ہو اور اس کے فوری طور پر ادا کر دینے یا کسی دوسرے شخص کے ضامن و ذمہ دار بن جانے کا انتظام نہ ہو سکے۔

ان اشارات کی مدد سے ایک صاحبِ ایمان آدمی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ مالِ حرام شریعت محمدیہ کی رُو سے آدمی کے کردار اور اس کی عاقبت کے لیے کس درجہ خطرناک ہے۔

اُمت کی بدقسمتی ہے کہ اس کے علما اور واعظ معاملات کی طرف تو آتے ہی نہیں، نہ کبھی کسی دینی جلسے میں مالِ حرام کو موضوع بنایا گیا یا اس کے برعکس رزقِ حلال کی اہمیت واضح کی گئی۔

ہمارے واعظانِ شیریں مقام لہک لہک کر اور سُر لگا لگا کر جن چیزوں کو بیان کرتے ہیں وہ اُن کی فرقہ وارانہ پسند کے عقیدوں کی باتیں ہوتی ہیں۔ دوسرا بڑا موضوع یہ ہوتا ہے کہ شانِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) بیان کرتے ہوئے حضور کی حیثیت کا ایسا تصور دلایا جاتا ہے کہ بس چند اذکار و وظائف ہیں اور کچھ درود و سلام کا سلسلہ ہے، جس نے یہ کر لیا اُس کے لیے شفاعتِ حضورؐ واجب اور جنت لازم ہو گئی۔

دالتنگاف الفاظ میں یہ کہتا ہوں کہ آپ کلمہ طیبہ (افضل الذکر) کا ورد کریں یا کلمتان خفیفتانِ علی اللسان وثقیلتان فی المیزان کا (سبحٰن اللہ وبحمدہٖ، سبحٰن اللہ العظیم)، خواہ آپ آیت کریمہ کی تسبیحیں پڑھیں یا آیت الکرسی کا وظیفہ کریں، حتٰی کہ آپ بکثرت

نفل نمازیں پڑھیں یا نفل روزے رکھیں، ان ساری چیزوں کی برکات اسی صورت میں حاصل ہوسکتی ہیں، جب کہ آپ کی مجموعی زندگی دینی لحاظ سے صحت مندانہ ہو۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک تندرست شخص اگر عام غذا کے ساتھ تھوڑی سی مقدار میں ایک آدھ انڈا یا چار چھ بادام یا تھوڑا سا مربہ یا دُودھ وغیرہ کوئی چیز استعمال کرے تو اس کی توانائی بہت بڑھے گی۔ لیکن اگر آپ معدے کے مریض کو سوہن حلوا کھلائیں۔ یرقان زدہ آدمی کو خوب انڈے ٹھونسوائیں، یا پیچش کے مریض کو کشتہ فولاد دینے لگیں تو وہ سفرِ حیات کو زیادہ تیزی سے طے کرے گا۔

ذکر اذکار اور درود وسلام تو اُس وقت کارگر ہوتے ہیں جب توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان درست ہو، فرائض کا اہتمام اور منہیات سے اجتناب ہو رہا ہو اور خدا کے حقوق کے علاوہ خاص طور پر بندوں کے حقوق ادا ہو رہے ہوں تو ہر ذکر، ہر دُعا، ہر خدمت، ہر انفاق کی بڑی جزا ہے۔ ایک ملازم ایک طرف سے فرم میں خیانت کر رہا ہو اور دوسری طرف ڈائریکٹر کے سامنے قصیدوں اور سلامیوں کا ڈرامہ کر کے یہ چاہے کہ اسے تنخواہ کے علاوہ بونس اور انعام اور ترقی دی جائے، تو یہ بڑا غلط انداز فکر ہے۔ وہ تو فی الحقیقت غبن کرنے کے بعد ملازمت اور نہ تنخواہ کا بھی مستحق نہیں ہے۔ اُلٹا اس کی جگہ جیل میں ہے۔ اسی طرح دین میں بھی شرطِ اوّل یہ ہے کہ دیانت داری سے فرائض پورے کیجیے، حقوق ادا کیجیے، لازمی ڈیوٹیاں انجام دیجیے اور پھر کچھ زائد خدمات کر کے خصوصی انعام کا شوق رکھیے۔ نہ یہ کہ فرائض سے کوئی مطلب نہیں، خدا کے احکام و حدود کی کوئی پروا نہیں، رسول اللہ کی سنت اور آپ کی تاکیدوں اور تنبیہوں کا پاس نہیں، حرام و حلال کا کوئی خیال نہیں ـــــ اور چلے ہیں چند فرقہ وارانہ عقیدوں اور خاص خاص اذکار کے بل پر حضورؐ کی شفاعت اور خدا کی جنت حاصل کرنے کے لیے!

فرائض اور ضروریاتِ دین کے بارے میں لاپروائی، معاملات و اخلاق کے اچھا یا بُرا ہونے کے متعلق دلوں کی غفلت اور حلال و حرام کے احساس سے بے گانگی اور غلبہ دین اور اقامت نظامِ حق کی جدوجہد سے لاتعلقی جو چاروں طرف پائی جاتی ہے اس میں بہت بڑا حصہ

ہے اُن واعظین کا جو محراب و منبر پر قابض ہیں اور لوگوں کو اچھی اچھی میٹھی گولیاں کھلا کر دین کے مخصوص عملی تقاضوں سے غافل کرنے کی خدمت نسلاً بعد نسلٍ انجام دے رہے ہیں۔

عوام میں یہ احساس رچ بس گیا ہے کہ زندگی میں جو چاہیں کرتے رہیں، بس کسی موقع پر ایک ختمِ قرآن کا انتظام، کسی عرس میں شرکت، کسی بزرگ کی قبر پر حاضری، کچھ دعائیں، کچھ اذکار، کبھی درُود کی تسبیح خوانی اور کبھی سلام کے لیے کھڑے ہو کر زور زور سے یا رسول اللہ پکارنا یا لوگوں کا کلمہ سید صاحب کا دینا تمام گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہیں۔ یہ مذہبی تصور ایک ایسا چُورن ہے کہ جس کے اثر سے حلال حرام سب یکساں طور پر ہضم ہو جاتا ہے اور جزوِ بدن بن جاتا ہے۔ بلکہ سرے سے حلال حرام کی تمیز اور فکر ہی ختم ہو جاتی ہے۔

ہمارے ہاں کے قاتل، چور، جواری، مغوی، زناکار، خائن، راشی اور منشیات عناصر سب کے سب اس چورن کو استعمال کرتے ہیں۔

مجھے عرصہ دراز ہوتا ہے کہ میں بارہا مذہبی جلسوں میں شریک ہوتا رہا ہوں، نہایت ہی محترم دینی بزرگوں کی بہت سی تقریریں سُنی ہیں۔ لیکن شاذونادر ہی کبھی کوئی ایسی گفتگو سُنی کہ انسانوں کے ساتھ معاملات کرتے ہوئے کون سے رویے ہیں جو ایمان کو نقصان پہنچانے اور آخرت کے لیے خطرے کا باعث بنتے ہیں۔ اسی طرح میرے سامنے کم ہی کسی نے اس موضوع پر کلام کیا کہ رزقِ حلال کی اہمیت شرعاً کیا ہے اور رزقِ حرام میں کیا وبال ہے۔

اگر ایک بار یہ تبدیلی آسکے کہ ہمارے مختلف فرقوں کے بزرگ یہ فیصلہ کرلیں کہ اخلاق، معاملات اور حلال و حرام کے متعلق عوام کے شعور کی آبیاری کرنی ہے تو بڑی تبدیلی آسکتی ہے۔

علما کی جماعتیں بھی ہیں۔ اُن کو یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ اُن کے اندر آنے کی ایک شرطِ لازم یہ ہے کہ آدمی حرام سے اجتناب کی کوشش کرنے والا ہو۔ اسی طرح بے شمار پیر خانے ہیں اگر مشائخ یہ فیصلہ کرلیں کہ وہ کسی ایسے مرید کو اپنے حلقۂ بیعت میں شامل نہیں کریں گے،

جو کسبِ حلال کی پابندی قبول نہ کرے اور اگر کوئی حرام ذریعہ آمدنی (یا جائیداد) اس کے پاس ہو تو اسے ترک نہ کردے۔

میں تو یہ کہوں گا کہ ایک اسلامی معاشرے کے اندر جو سیاسی جماعتیں بنتی ہیں، وہ خواہ سیاسی لحاظ سے اپنے آپ کو سیکولر رکھنے پر اصرار کرتی ہوں، اپنے دستور میں ایک لازمی دفعہ یہ رکھیں کہ حرام آمدنی یا اموال رکھنے والا شخص ہمارے دائرے میں داخل نہیں ہو سکتا تو پھر رزقِ حرام کی یہ گرم بازاری باقی نہیں رہ سکتی۔

مشکل تو یہی ہے کہ حرام آمدنیاں رکھنے والوں کو (خواہ وہ سود کی ہوں یا اسمگلنگ کی یا رشوت کی) ہر جگہ خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ سیاسی جماعتیں تو ذرا بعد میں آتی ہیں، مذہبی جماعتوں کا یہ عالم ہے کہ اگر کوئی مال دار آدمی ساتھ آجائے، خواہ اس کی آمدنی کیسی ہی ہو تو ان کے ہاں بہار آجاتی ہے۔ انھیں، گر بُری سے بُری کمائی والا آدمی اچھا چندہ دے دے تو اسے اپنی مجالس و تقاریب کا صدر تک بنانے میں مسرت محسوس کرتے ہیں۔

حرام خوری کے خلاف ہمارے معاشرے میں ایک زوردار مہم چلنی چاہیے جس میں سربراہی تو مذہبی بزرگ اور مشائخ کریں مگر ان کے پیچھے سیاسی لوگوں کے علاوہ ادیب اور صحافی اور ریڈیو ٹیلی وژن کے کارکن بھی محاذ آرا ہوں۔

مالِ حرام کی وبائے عام کو بڑھانے میں جدت مآب ترقی پسند خواتین کا بھی حصہ ہے۔ یہ لوگ ایک طرف تو ٹھاٹھ باٹھ کا گھر چاہتی ہیں، اونچے معیارِ زندگی کی طرف اڑان کرتی ہیں، دوسرے اپنے فیشن اور زیب و زینت پر خرچ کرنے میں ہم سطح خواتین کا مقابلہ کرتی ہیں۔ پھر کھیل تماشوں، سیر سپاٹے اور طرح طرح کی سوشل مجلسوں اور ثقافتی تقریبوں اور مینا بازاروں میں حصہ لیتی ہیں۔ اپنے گھروں پر اپنی اور ایک ایک بچے کی سالگرہ اور ان کے امتحانات میں کامیابیوں کی تقریبیں خوب نمود و نمائش سے مناتی ہیں۔ یہ سارے سلسلے معاشرتی مرتبے (STATUS) کے بت کی پرستش کی حیثیت اختیار (باقی بر صفحہ ۵۶)

(بقیہ اشارات) کر گئے ہیں۔

نمود و نمائش کے اس طوفان کو زور پر رکھنے کے لیے وافر پیسے کی ضرورت ہوتی ہے اور وافر پیسہ متوسط درجے کی ملازمت یا کاروبار سے نہیں مل سکتا۔ اس کے لیے بیگم صاحبہ ایک تو خود اپنی ملازمت کی راہ نکالتی ہیں۔ اور چھوٹے بچوں کو "کے جی" کے سپرد کر دیتی ہیں۔ پھر بھی کام نہیں چلتا تو وہ شوہروں پر دباؤ ڈالتی ہیں کہ دیکھو فلاں تو ایسی ایسی کوٹھی میں رہتا ہے اور فلاں کی کار بھی ہے اور فلاں کی بیوی یوں پلیٹ پلیٹ ہے۔ ایک تم ہو کہ چھوٹی سی تنخواہ کے کولھو کے بیل بنے ہوئے ہو۔ اور نہ رہنے کو ڈھنگ کا کوئی مکان، نہ مناسب فرنیچر اور کراکری، تمہاری بیگم کا یہ حال کہ کسی اچھی محفل میں جائے تو جمعدارنی معلوم ہوتی ہے۔ اس طرح خاوندوں کو نالائق اور بیوقوف ہونے کا احساس دلا دلا کر یہ انہیں تیار کرتی ہیں کہ وہ عوام کا خون نچوڑیں اور اس کی سرخی ان کی آبرو بنے۔ بعض شعلہ جوالہ قسم کی بیگمات تو تیز تیز آگے بڑھنے کے جوش میں اس بری طرح پھسلتی ہیں کہ ساری عمر روح کے زخم چاٹتی رہتی ہیں۔ بصورتِ دیگر تمام احساساتِ شرافت و حیا کو اپنے آپ سے اس طرح الگ کر دیتی ہیں جیسے آنچل سر سے اتار پھینکا جاتا ہے۔

ایسے حالات میں پولیس کے اس سابق ملازم کا کردار کتنا منفرد، کتنا گراں بہا اور کتنا روشن نظر آتا ہے۔

خدا ہم کو، اور ہر مسلمان کو ایسا ہی کردار عطا کرے۔ ہر طرف ایسے لوگ اٹھ کھڑے ہوں جو دوسروں سے چھینے ہوئے حقوق اُن کو ادا کرنے کے لیے بے تاب ہوں۔ نیز جو لوگ اس وقت ناجائز کمائی کے لیے ظلم و خیانت سے کام لے رہے ہیں۔ وہ خدا کے سامنے جوابدہی کے خوف سے اپنی اصلاح کر لیں۔